بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نقد و نظر

کسی ملک کا نظامِ تعلیم خلا میں مُرتب نہیں کیا جاتا بلکہ کسی قوم کی رُوح کو اپنے اندر سموئے ہوتے ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی قوم کے نظریات جس قدر ناقص ہونگے اُسی تناسُب سے اس کے نظام میں بھی نقائص موجود ہونگے۔ اس کائنات میں حق صرف وہی ہے جو انبیاء علیہ السّلام کے ذریعے انسانیت تک پہنچا ہے اور جس کی آخری اور مکمل ترین صورت ہمیں قرآن کریم اور اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم میں ملتی ہے اس لیے جس نظامِ تعلیم کی بنیاد قرآن و سنّت سے ہٹی ہوگی وہ ایسے انسان پیدا کرے گا جو اس کُرۂ ارضی پر فتنہ و فساد برپا کریں گے۔ جدید انسان کے مُحیّر العقول کمالات اور اس کی انسانیت سوز حرکات کا اگر ایک گوشوارہ تیار کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس نے نفع کے کھاتے میں جو کچھ حاصل کیا ہے اسے بھی اپنے تخریب پسندانہ رجحانات کی وجہ سے نقصان کے کھاتے میں ڈال دیا ہے اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ جو نظامِ تعلیم خدا سے انحراف کے اصول پر مُرتّب کیا جائے گا وہ لازمی طور پر نوخیز نسلوں کے اندر باغیانہ احساسات کی پرورش کرے گا۔ اس غلط نظامِ تعلیم کی قہرمانیوں کو آج ہر انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔

ڈاکٹر رفیعُ الدّین نے اس موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوتے مُسلم اقوام کے لیے ایک خدا پرستانہ نظامِ تعلیم کی تشکیلِ جدید کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے خیال میں اسلامی تعلیم سے مراد چند مخصوص دینی کتابوں کی تدریس نہیں بلکہ پُورے نظامِ تعلیم میں خُدا کے صحیح تصوّر کو سمونا ہے — وہ تصوّر جو انسان کو غلط افکار و اعمال سے محفوظ رکھتا ہے، اس کی شخصیت میں اوصافِ حسن و کمال پیدا کرتا ہے جو سائنس اور فلسفہ کے میدانوں میں انسان کی صحیح طور پر رہنمائی کرتا ہے۔

علّامہ اقبال کے فلسفۂ خودی کا حیات بعد ممات سے کیا تعلق ہے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب مظفر حسین صاحب فرماتے ہیں کہ خودی کو ثبات و دوام حاصل ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نیند جو موت کی ایک ہلکی سی کیفیّت ہے اس میں ہمارا شعور ہمارا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ زندگی اور موت دو ایسے الگ دائرے نہیں جن کا آپس میں

کوئی تعلق نہ ہو۔ یہ دونوں منزلیں لازوال جوہر حیات یعنی خودی کی دو مختلف کیفیات ہیں۔
پھر فاضل مقالہ نگار نے علامہ کے اس حیات آفریں تصور کی نہایت اچھے انداز میں صراحت کی ہے کہ متصوفانہ مشاہدات اور وارداتِ قلبی میں تناہی خودی کا لاتناہی خودی کے مابین جس قرب کا احساس ہوتا ہے وہ اپنی جگہ کس قدر صحیح اور روح کو بالیدگی بخشنے والا ہو مگر اس میں انفصال کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ قرب عبد میں احساسِ عبودیت کا سرور پیدا کرتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو علامہ اقبال کا نظریۂ خودی ایک طرف فلسفۂ وحدۃ الوجود کے خلاف اعلانِ جہاد ہے اور دوسری طرف اس سے مقصدِ حیات متعین کرنے میں مدد ملتی ہے، کہ انسان کسی ایسے حسنِ عمل کا پیکر ہو جس سے انسانی خودی بقائے دوام کی مستحق بن جائے۔
"ایک نسل کی داستان" محمد المبارک کے عربی مضمون قصہ الجیل کا اُردو ترجمہ ہے۔ موصوف ایک بیدار مغز اور دردمند مصنّف ہیں اور جدید دور کے مختلف نظریات اور عالمِ اسلام پر ان کے اثرات کے بارے میں نہایت وسیع معلومات رکھتے ہیں۔ آپ نے اس مضمون میں بتایا ہے کہ کس طرح پہلی جنگ کے بعد مغرب کے گمراہ کُن اقتصادی اور معاشی فلسفوں نے عالمِ اسلام کے اندر راہ پائی اور ان کی وجہ سے اسلامی معاشرے میں وحدتِ فکر اور وحدتِ عمل کی جگہ ذہنی انتشار اور نظریاتی تصادم پیدا ہوا ہے اور ان حالات سے اسلام کے دشمنوں نے کس طرح اور کس حد تک فائدہ اٹھایا ہے۔ محمد المبارک نے اس سلسلے میں ان حضرات کی کوششوں کا بھی ذکر کیا ہے جنہوں نے اس طوفان کا بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ اس میں انہیں کسی حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے اور اسی ضمن میں کن اقدامات کی ضرورت ہے ان کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔
سطح بیں حضرات کی ستم رانیوں سے یوں تو کوئی صاحبِ فکر و نظر نہیں بچ سکتا لیکن علامہ اقبال جس طرح ان کا تختۂ مشق بنے ہیں وہ تاریخ کی بڑی المناک داستان ہے۔ ان لوگوں کو علامہ اقبال کے کلام میں سوائے رجعت پسندی اور تضاد کے اور کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ محترمہ بُشریٰ بٹ صاحبہ نے کلامِ اقبال میں تضاد کی نوعیت پر بڑے اچھے انداز میں بحث کی ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ علامہ اقبال کی تصریحات متضاد افکار کا کوئی ملغوبہ نہیں بلکہ حیاتِ انسانی کے مختلف حقائق کے مابین تخلیقی سطح پر ایک معنوی ارتباط ہے۔ اس امر کی وضاحت کے لیے انہوں نے کلامِ اقبال میں حُبِّ وطن کے موضوع کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ اقبال کے تخلیقی اور رسا ذہن نے وطن دوستی کے فطری جذبہ کو اس کی جائز حدود سے آشنا کیا ہے اور اہلِ مغرب کی طرح اس میں الوہیت کی شان پیدا نہیں ہونے دی جو مغربی نیشنلزم خاکِ وطن میں پیدا کرتا ہے۔

اسلامی تعلیم کے جنوری، فروری ۱۹۷۲ء کے شمارے میں میجر عبدالحمید صاحب نے اسلامی معاشیات کے بارے میں جو چند سوالات اٹھائے تھے، متعدد اہلِ علم نے ان کے جوابات دیئے ہیں۔ ان صفحات میں پروفیسر منظور احسن عباسی صاحب کی تصریحات پیش کی جا رہی ہیں۔ پروفیسر صاحب کا موقف یہ ہے کہ زکوٰۃ اگرچہ اسلامی معاشرے کی معیشت پر نہایت اچھے اثرات مترتب کرتی ہے مگر جدید اصطلاح میں یہ ٹیکس کی نوعیت کی کوئی چیز نہیں بلکہ نماز روزے کی طرح عبادت ہے۔ اس لیے ٹیکس کے نقطۂ نظر سے اس کی افادیت متعین کرنا اور اسے محض معاشرے کی مادی فلاح و بہبود کا ذریعہ سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں۔ اسلامی عبادات پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان گنت معاشی، معاشرتی اور جسمانی فوائد کے باوجود جو ہمیں ان کے ادا کرنے سے حاصل ہوتے ہیں ان عبادات کا اصل مقصد قربِ الٰہی اور مالک الملک کی رضا جوئی اور آخرت کی فلاح و کامرانی ہے۔ مثال کے طور پر آپ نماز کو ہی لیجیے۔ اس سے بلاشبہ انسان کے اندر نظافت اور پابندیٔ وقت کے احساسات اُبھرتے ہیں، پھر نماز باجماعت سے معاشرے میں اجتماعی شعور کو بھی تقویت پہنچتی ہے مگر ان دنیوی فوائد میں سے کوئی ایک فائدہ بھی اس عبادت کا مقصود بالذات نہیں۔ اس کا مطلوب و مقصود صرف رضائے الٰہی ہے۔ چنانچہ جو لوگ اس دینی فریضے کو دنیوی فوائد کے حصول کی غرض سے ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ عبادت کے اس شیریں عنصر سے محروم ہو جاتے ہیں جو فی الحقیقت عبادت کا جوہر ہے۔ یہی حال زکوٰۃ کا ہے۔ اس کے ادا کرنے سے بلاشبہ معاشرے کو بعض معاشی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں، مگر اس عبادت کا اصل مقصد ان مادی فوائد کا حصول نہیں بلکہ خداوند تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ بندگیٔ رب میں جس قدر موانع بھی پائے جاتے ہیں ان میں سے سب سے بڑی رکاوٹ مال کی محبت ہے۔ زکوٰۃ انسان کے دل کو مال کی محبت سے پاک کر کے خدا کی محبت سے معمور کرتی ہے۔ جب ایک انسان خدا کی رضا کے لیے اس کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے تو وہ اپنے اس عمل سے یہ ثابت کرتا ہے کہ اسے اپنے رب کی خوشنودی سے زیادہ کوئی دوسری چیز عزیز نہیں اور اس مقصد کے لیے قیمتی سے قیمتی شے بلا دریغ قربان کرنے کے لیے نہ صرف تیار ہے بلکہ اسے اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتا ہے۔ اگر زکوٰۃ کے بارے میں اسلام کے اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھا جائے تو بہت سے وہ سوالات جو اس دینی فریضہ کو ٹیکس کے مقام پر رکھنے کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً یہ سوال تو پوری طرح حل ہو جاتا ہے کہ زکوٰۃ کے نظام اور اس کی شرح میں کیوں تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زکوٰۃ کی فرضیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

(باقی صفحہ ۶۶ پر)